رب سائیں

خدا

بعونہ پیر و مرشد

آئینہ آنند

جلد پنجم

مصنفہ و مولفہ

بابا گلاب چند آنند معروف بہ شاہ آنند بنارسی

نمبر سی ۲۳/۱۴۲ سین پورہ چیت گنج بنارس

بپاس خاطر عاطر عزیز از جان میاں عبدالرحمن انصاری (آنند)
ملازم فوج سرکاری

بغرض استفادہ متلاشیان راہ طریقت اجازت طبع فرمودہ مرشد

عبدالکریم پریس بنارس

حق

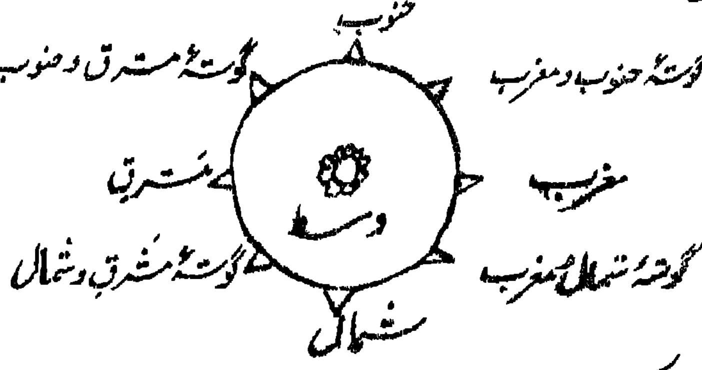
اللہ

(قیمت فی جلد عہ)

کہلاتا ہے۔ (۳) قلب صنوبری - جب اپنے مرکز پر ساکت رہتا ہے حرکت نہ اندر ہوتی ہے نہ باہر تب صنوبری کہلاتا ہے۔

ایک مقام پر لکھا دیکھا ہے کہ قلب مُدوّری کا مقام دماغ ہے۔ نیلوفری کا مقام درمیان نشست گاہ ہے اور صنوبری کا مقام پستان چپ ہے۔ ہم بذاتِ خود اس رائے سے متفق نہیں ہیں۔ ہمارے خیال میں قلب کی یہ ہرسہ حالتیں ہیں اور کچھ نہیں۔ حالت اول کثیف دوم لطیف اور سوم الطف ہے۔

کسی ماہرِ فن سیر دو رنے قلب کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔



انکا فرمانا ہے کہ۔

(۱) جب دل کا رُخ جانب جنوب رہتا ہے تب ظلم۔ مردم آزاری۔ سنگدلی اور جہاد کرتا ہے۔

(۲) جب رُخ جانب شمال رہتا ہے تب تمنائے جامعت ہوتی ہے۔

(۳) جب رُخ جانب مشرق ہوتا ہے تب نیک اعمال کے جانب رجوع ہوتا ہے اور غیر کے مفاد کا خواہاں ہوتا ہے۔

(۴) جب رُخ بجانب مغرب ہوتا ہے تب ظرافت۔ جوش طبعی۔ راگ و رنگ وغیرہ سامان دلبستگی کا خواہاں ہوتا ہے۔

(۵) جب گوشۂ مشرق و جنوب کے جانب رُخ ہوتا ہے تو خواب اور کاہلی طاری ہوتی ہے۔ آرام کی خواہش ہوتی ہے اور پست ہمتی اور سستی کا غلبہ ہوتا ہے۔

(۶) جب گوشۂ مشرق و مغرب کے جانب رُخ کرتا ہے تو آلس اور جمائی کا دور ہوتا ہے۔

श्री गुरु महाराज सहाय

بعونہ پیر مرشد

اومؐ

قلب یا دل!

وسعت ہمارے دل کی۔ کوئی کیا بتا سکے یہ دل وہ ہے کہ جس میں خدا تک سما سکے

جو کچھ کہ گذشتہ چار حصص میں بیان کیا گیا ہے اُن سب کا دارومدار دل ہی پر ہے۔ بھگتی (عشق)، گیان (معرفت) اور گیان (حقیقت) سب کی کھیتی کاشت دل ہی میں ہوتی ہے۔ بقول کسے

دل بدست آور کہ حج اکبر است   از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است

یا آنکہ جیسا فرمایا ہے کہ "مومنوں کا دل ہی معراج ہے" دل کیا ہے؟ اس پر بحث کرنے میں طوالت کو راہ دینا ہوگا۔ مختصراً یوں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ تمام قوائے افعالی، حساسیت وغیرہ کا سرغنہ اور سردار ہے۔ ہندی میں اسے گیارہواں اِندر کہتے ہیں۔ یعنی پانچ کرم اور پانچ گیان اندریوں کا چلانے والا ہے۔ ہندی صوفیوں کے اصطلاح میں یہی اِم ہی کرشن جی ہیں ۔ دستِ خود اور رہبر بھی ہے۔ غرضکہ کوئی عبادت بدوں اِمداد دل کے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی ہے۔ جس طرح بدوں روح کے یہ جسم خاکی کچھ نہیں کر دھر سکتا ہے اسی طرح بدوں دل کے روح سے کوئی کام سرانجام نہیں پا سکتا۔ سادے الفاظ میں یہ روح کا دیوان یا وزیر ہے۔

قلب کے تین صفاتی اقسام بتائے گئے ہیں۔ (۱) **قلبِ سلیم** جس میں خدا کے معرفت کے سوا کچھ نہ ہو۔ (۲) **قلبِ منیب** جو سب چیزوں سے توبہ کرکے اللہ کے جانب رجوع ہوا ہو۔ (۳) **قلبِ شہید** جو ہر شے میں اللہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔

تخیلاتی کیفیت۔ قلب کے تین اقسام بتائے گئے ہیں:۔

(۱) **قلبِ صنوبری**۔ جب قلب متحرک رہتا ہے تو اسے صنوبری کہتے ہیں۔

(۲) **قلبِ نیلوفری**۔ جب قلب اپنے مرکز ہی پر گردش کرتا ہے اور باہر نہیں جاتا ہے تو نیلوفری

وحدانیت خالص

اے عزا ترا بسوے تو عزے نے — خالی از تو مسجدے و دیرے نے
دیدم ہمہ طالبان و مطلوبان را — آں جملہ توئی و در میاں غیرے نے

عمر ختم ہوتی چلی گئی۔ دُوئی کا جھگڑا نہ مٹا۔ رسولؐ اور اللہ۔ بندہ اور خدا۔ باپ اور بیٹا۔ پیر و مرید آفتاب اور ماہتاب۔ ذات و صفات۔ قید و آزاد۔ طالب و مطلوب۔ فراق و وصال۔ رنج و خوشی غرضیکہ مختلف قسم کے اجتماع ضدین میں پھنسے تھے۔ آخر شیخ پیر کے قدوم میمنت لزوم میں پہنچے۔ انکی نظر کرم ہوئی۔ من کا گھاٹ بدل دیا۔ آنکھیں کھل گئیں۔ ہمکو جس قابل دیکھا اس طریقہ سے دُوئی کے بھید کو مٹانے کا انھوں نے جتن کیا۔ مجاہدات۔ عملیات۔ شغل۔ اشغال کے ذریعہ سے ہمکو جتا دیا کہ ہم میں اور مطلوب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو وہ ہے سو ہم ہیں۔ "گندم از گندم بروید جو ز جو"۔ اسی کو معرفت اور حقیقت کہا گیا ہے۔

ہم نے اس مضمون کی سرخی "وحدانیت خالص" کیوں دیا ہے؟ اس لئے کہ آجکل وحدانیت کی مٹی خواہ مخواہ کے موحدوں نے پلید کر رکھی ہے۔ کوئی کہتا ہے "ایکو برہم دوتیو ناستی" خدا ایک ہے دوسرا کوئی نہیں یا لا الٰہ الا اللہ دوسرا کہتا ہے "آتما سب میں ایک ہے" "ایکو ہم بہو سیاما" تیسرا کہتا ہے "ہمہ اوست۔ ہمہ از وست" اپنے اپنے خیال میں تینوں مست ہیں۔ مگر حقیقت آشنا انہیں سے کوئی نہیں نظر آتا۔ اس لئے کہ سب منطق اور فلسفہ کے آڑ میں ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں بھلا اصلی اور سچے موحد کو بحث مباحثہ سے سروکار ہی کیا رہا؟ جب قطرہ دریا میں گیا تب قطرہ اور دریا دو کہاں رہے۔ جب بندہ نے اپنے کو خدا میں تحلیل کر دیا تب کیا رہا۔ کون رہا۔ یہ کون کہے اور کس سے کہے۔ جب مرید نے اپنے کو مرشد کے ذات پاک میں حلول کر دیا تو کیا کہے کون مرید اور کون پیر ہے۔ جب سورج کی کرنیں سورج میں جذب ہو گئیں تب کون کہے کہ سورج اور کرنیں دو ہیں۔

غرضیکہ موحد تین اقسام کے نظر آتے ہیں:۔ ایک وہ ہے جو خدا کے وحدت کا قائل ہوتا ہے مگر

(۷) جب گوشۂ مشرق وشمال کے جانب رُخ کرتا ہے تو سخاوت یا فضول خرچی کے جانب مائل ہوتا ہے۔
(۸) جب گوشۂ شمال ومغرب کے جانب رجوع ہوتا ہے تو سفر کا شایق ہوتا ہے۔

نوٹ:- جب ان سب جوانب سے مڑ کر دل وسط میں قایم ہوتا ہے تب مالکِ کل کے جانب رجوع ہوتا ہے اور اپنے آپ میں محو ہو جاتا ہے۔

ایک کتاب میں لکھا دیکھا تھا کہ دل میں چار سوراخ یا روزن ہوتے ہیں۔

۱۔ روزن بجانب مشرق (پورب)

آنکھ۔ جہاں یہ روح کا بصورت روشنی مثل آفتاب قیام رہتا ہے۔ اس مقام پہ تصور جمانے والا شاغل تندرست رہتا ہے۔ اور صاحب اقبال ہوتا ہے۔

۲۔ روزن بجانب مغرب (پچھم)

حلق یا گلا۔ آواز نکالنا اسکی صفت ہے۔ یہاں پہ جو ہوا (وایو) ہے اُسکا تعلق تین مقامات سے ہے (۱) وہ ہوا جو ناک کے ذریعہ سے اندر کو کھینچتی ہے (۲) وہ ہوا جو مقام اجابت میں رہتی اور پیشاب و پاخانہ کو خارج کرتی ہے۔ (۳) وہ ہوا جو تالو سے پس پُشت تک پھیلی ہوئی ہے۔
اس روزن پہ تصور جمانے والا شاغل صاحب مقدرت ہوتا ہے۔

۳۔ روزن بجانب شمال (اوتر)

ناف سے اسکا تعلق ہے جہاں روح سکون کے حالت میں رہتی ہے۔ یہی جائے سجود ہے۔ اس مقام پہ تصور جمانے والا شاغل صاحب اقبال اور شہرت والا ہوتا ہے۔

۴۔ روزن بجانب جنوب (دکھن)

گوش (کان) آوازِ غیبی یہاں سُنائی دیتی ہے اس مقام پہ تصور جمانیوالا اسرار غیبی کا جاننے والا ہوتا ہے۔

یہی درجہ حقیقت کا ہے جو دید و شنید کے پرے ہے۔ اگر ابتدا مبتدا ہی ہے۔ الکلام (انا عید نی) ہے۔ (دیکھنے - الکلمہ (نا گفتنی) ہے یہی معراج تمنا ہے۔ اسی کو الکھو یہ کہتے ہیں بالقول سہ

نہ ہو سکتا نہ ہوگا۔ راز دل ہرگز بیاں ہمسے
نہاں تو تھا نہاں ہی تھا اب پنہاں بھی ہے نہاں ہمسے

کہیں ہم حال دل کیونکر۔ سمجھ میں یہ نہیں آتا
زباں گنگ ہو رہی ہے۔ آجکل خود بے زباں ہمسے

گذرتی ہے جو کچھ ہم پر۔ وہ آنکھیں دیکھتی سب ہیں
مگر خاموش ہیں۔ کہتی نہیں کچھ بے زباں ہمسے

سمعد اندروں ہے۔ نہیں ہیں کان نا واقف
زباں انکو نہیں۔ کیونکر کہیں یہ کچھ بیاں ہمسے

جو دل پہلو میں اپنے تھا نہیں۔ ہم کہہ نہیں سکتے
نہ جانیں کیوں کشیدہ ہے۔ ہمارا رازداں ہمسے

نہ چھپ جو دھنیاں نہ اک دل کی کہیں پھر کیا
"عدم کے جانے والوں کی نہ پوچھو داستاں ہمسے"

ہمیں آشنا اب بھی مل رہا ہے شعر گوئی میں
ضعیف ہم ہو گئے۔ لیکن طبیعت ہے جواں ہمسے

حضرت ابو محمد مرتعش رح فرماتے ہیں کہ تصوف ایک حال ہے کہ غائب کرتا ہے صاحب تصوف کو گفتگو سے اور لے جاتا ہے حق کی طرف۔ بس خدا ہی رہتا ہے اور وہ فنا ہو جاتا ہے

استغناء

دوسری صفت جو اصلی موحد میں نظر آنی چاہیئے وہ استغنا کی ہے۔ اس لفظ کے عام معنی بے پرواہی وغیرہ کے ہیں مگر اصطلاحی معنی غنی اور دولتمند ہونے کے ہیں اور دنیا کی طرح جیسے وصل شیخ خالص کی بے بہا دولت مل گئی۔ اوس کے غنی ہونے میں شک ہی کیا رہا؟ دولتمند آدمی سب سے بے پرواہی کرتا ہے جسکو رموز حق معلوم ہو گئے اور جسے یہ یقین ہو گیا کہ جو خدا شہ رگ سے بھی قریب تر کہا جاتا ہے وہ ہمارے مکان میں ہے اسمیں اور ہم میں ذرا سا بھی تفاوت نہیں پھر وہ کسکی پرواہ کریگا۔ اگر ہمیں استغنا نہ آئیگی تو آئے گی کس میں؟

جب اپنے سرور میں رہتا ہے تو کہتا ہے سہ

صوت ناقوس کلیسا ہو کہ آواز اذان
مشغلے ہیں تیرے دلوں کے یا صابیوں کے نشان

مختلف عنوان سے سنتے ہیں اسکی داستان
راز اصلی جان لیں سب ملتوں کے رازداں

نور پیدا ہو رہے ہیں ایک ہی تنویر سے
ساری تصویریں کھنچی ہیں ایک ہی تصویر سے

عشق میں بھی رہتا ہے مثلاً اُسے بُت میں یا مندر اور گرجا میں خدا نظر نہیں آتا بلکہ بعزت کی نظر سے اُسے دیکھتا ہے۔ دوسرا وہ طبقہ ہے جو تمام کائنات کو اُسی ایک کا جلوہ سمجھتا تو ضرور ہے مگر سب میں اُس کی موجودگی کا مقر نہیں ہوتا۔ تیسرا طبقہ جان دونوں سے برتر ہے وہ وہ ہے جو خدا کو سب میں دیکھتا اور جانتا ہے۔ بقول کیسے

طرفہ بیرنگی کہ دارد رنگہاے بے شمار — طرفہ بے صورتے کہ باشد صورت او صد ہزار
آفتابے۔ در ہزاران آبگینہ تافتہ — پس بہ رنگ ہر یکے تابے عیاں انداختہ
جملہ یک نور است لیکن رنگہاے مختلف — اختلاف درمیان این و آن انداختہ

ایک ہندی صوفی کہتا ہے کہ

ہر گھٹ میں ہر ہے پر گھٹ اُسکو بسار ناہیں — نیچ اُونچ کا اُسے تو۔ کچھ بھی وچار ناہیں
وہ بچھ۔ کچھ۔ نرسنگھ۔ ناراین کے ہے گیا — پر نج سروپ میں کچھ آیا وکار ناہیں
سورج چندر میں اسکا پرکاش سب میں پورن — گھٹ ہیں انیک۔ لیکن وہ بے شمار ناہیں
جیو اور شیو کے جھگڑے ایک اور انیک کامت — من کے ہیں سب بکھیڑے کچھ اسمیں سار ناہیں
انجیل۔ وید و قرآن۔ نارد۔ محمد۔ عیسیٰ — گن ست کے اوس کے گائے یہ پایا پار ناہیں
سُبحان سندھ کو ہاں رہنتوں نے دھر بھیا — کیا جانے بھید جسکو سنتوں سے پیار ناہیں

ست سنگ میں تو جاکر۔ وحدت کا جام پی لے
آنند جسکے پیتے جس میں خمار ناہیں!

ہر سہ طبقات وحدانیت مندرجہ بالا شریعتی۔ طریقتی اور معرفتی کہے جا سکتے ہیں۔ مگر ان ہر سہ سے اعلیٰ وہ درجہ ہے جسے وحدت خالص کہتے ہیں۔ یعنی جسنے اُسے ذات کو اپنے مطلوب میں (چاہے خدا۔ چاہے رسول چاہے پیر ہو) منفک کر کے سراسر ایک ہو جاتا ہے اور نہ واحد لاشریک میں ملکر واحد لاشریک ہو جاتا ہے

تو من شدی، من تو شدم۔ تو تن شدی من جان شدم
تا کس نگوید بعد ازیں۔ من دیگرم تو دیگری!

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں کہ کمتر درجہ عارفوں کا یہ ہے کہ صفات حق اُنمیں پیدا ہوں۔ یعنی صفات ہی نہیں بلکہ ذات میں ذات کو ملا دینا چاہیے!

مل جسم ... ظاہر ... بھون

صوفی کہتا ہے کہ ؎

دل جو آلودست از حرص و ہوا　　کے شود مکشوف اسرار خدا
صد تمنا در دل ست لے بوالفضول　　کے کند او جا خدا در وے نزول

ایسے ہی بے تمنا حالتِ قلب کو عالمِ ہو کہا گیا ہے ۔ اور عالمِ ہو کوئی غیر چیز نہیں ہے ۔ جناب آسی صاحب خلد آشیانہ فرماتے ہیں ۔ ؎

دلِ بے مدعا کا کیا کہنا　　یہی ویرانہ عالمِ ہو ہے

جب دل مستغنی ہو کر "عالمِ ہو" کی صورت بن جاتا ہے تب فنائیت کا درجہ حاصل کرتا ہے ۔ اور کہتا ہے کہ ؎

سر برہنہ نیستم ۔ دارم کلاہ چار ترک　　ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ، ترک مولیٰ، ترکِ ترک

فنا کے لغوی معنی جو کچھ ہوں مگر تصوف کے لغت میں بجز اس کے اور کوئی معنی نہیں ہے کہ دل ایکدم مطلوب کے تصور میں چاہے خدا ہو یا پیر محو ہو جائے ۔ فنا کے معنی کالعدم یا نیست ہونے کے نہیں ہیں ۔ فنا واقعی ایک حالتِ دل ہے جسے ہندی فقرا "اُنمنی اوستھا" کہتے ہیں ۔ اس حالت کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا ۔ بقول ؎

فنا ہو گئے تو رہی پھر نہ جستجو باقی　　تڑپ رہی کوئی دل میں نہ آرزو باقی
نہ بزمِ یار رہی نہ تو غیر کا رہا کھٹکا　　رہا نہ شیشہ و صراحی نہ تو سبو باقی
رہے نہ مشغلے دلسوز سوز و ساز کے بھی　　نہ حال قال رہا اور نہ ہائے ہو باقی
چڑھا کے بادۂ وحدت کچھ ایسے لیٹ رہے　　خبر نہیں کہ ہے مے یا کہ مے میں بو باقی
گئے عدم میں تو حالت وہاں کی کیا کہیے　　وہاں نہ میں ہی رہا اور رہا نہ تو باقی
فنا کے گود میں پایا بقا کو لپٹے ہوئے　　کہیں کیا اور نہیں جائے گفتگو باقی
گرو کے چرنوں میں ست سنگ کا جو تھا آنند
سما وہ نظروں میں اب تک ہے ہو بہو باقی

(تخیلاتِ آنند)

ذیل کے کلام میں فنا اور بقا کی تشریح بڑے خوبصورتی سے کی گئی ہے ۔ ؎

آئینے چاروں طرف لیکن مقابل ایک ہے ۔ راستے ہیں مختلف پر منزل ایک ہے

آجکل عموماً دیکھا جاتا ہے کہ فقرا خلق اللہ کے روٹیوں کے سہارے زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان سے ڈرتے ہیں کہ کہیں خفا نہ ہو جائیں ورنہ روٹی اور کپڑے کے لالے پڑ جائیں گے۔ یہ بیچارے استغناء کی دولت سے محروم ہیں۔ بقول ؎

اہل شرع دانند رہنما و رہبرت اند ۔ مردۂ نان اند و کشتۂ شہوت اند

وجہ اور کچھ نہیں ہے۔ صرف یہی کہ ذاتِ مطلوب میں اپنی ذات کو حلول نہ کر سکے وہ وحدانیت الٰہی کے لذت سے بے بہرہ ہیں۔ نہ خود کوئی کام کر کے اکل حلال پیدا کرتے اور نہ روزی موعود پر ہی انکا تکیہ ہے وہ دنیاداروں کو اپنا رازق مانتے ہیں ورنہ مستغنی تو دنیا میں رہتا ہوا تارک الدنیا ہوتا ہے۔ ایسے تارک کے حال کا خاکہ ایک صوفی قوال نے یوں لایا ہے ؎

ہم اس در پہ دھونی رمائے ہوئے ہیں ۔ ازل سے جہاں سر جھکائے ہوئے ہیں
در پیر اس در کو کہتے ہیں فقرا ۔ کوئی کوئی زمرہ اسکا پائے ہوئے ہیں
انھیں کو میسر ہے وہاں تک رسائی ! ۔ خودی کو جو خود سے گنوائے ہوئے ہیں
نہ وسعت کی خواہش ۔ نہ قلت سے کاہش ۔ جو آپے میں اپنے ۔ سمائے ہوئے ہیں
جہاں بھر دنیا میں ۔ مرغابی آسا ۔ پھر ڈوبتے ہیں پہ ۔ پر بچائے ہوئے ہیں
جو شبنم سے آتے اور جاتے ہیں لیکن ۔ چمن سے نہیں ۔ دل لگائے ہوئے ہیں
بتائیں ہم آنند ۔ اس در کا کس کو
وہ جائیں گے ۔ جو دیکھ آئے ہوئے ہیں

جبتک خواہش باقی ہے تب تک انسان ۔ فقیر ہو یا گرہست ۔ استغناء کے درجہ میں نہیں پہنچ سکتا ہے کیونکہ خواہش ایک ایسی بد بلا ہے کہ بڑے سے بڑے آدمی کو نیچا دکھا دیتی ہے بقول کسے ؎

آنچہ شیران را کند روبہ مزاج
احتیاج است ۔ احتیاج است احتیاج

اور فقرا کے لئے تو سخت ممانعت ہے ۔ عبادت جنت کی خواہش سے بھی کرنا حرام ہے !

؎ دل مکن از بسکہ با طالب سرا
از خدا غیر از خدا ۔ چیزے مخواہ !

اگر معراج تمنّا کے حصول کا مقدور حاصل ہے تو محض حضرت انسان ہی کو ہے۔ اس جامۂ انسانی کو پاکر جنم جنم نہ شد دھارا وہ پچھتائیگا۔ کیونکہ یہ وہ جامہ ہے جسکے متعلق توریت میں آیا ہے کہ "میں نے آدم کو اپنی صورت پہ پیدا کیا" کلام مجید میں بھی عالیٰ قلمی ہے کہ "نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" یعنی پھونکی ہم نے انسان میں اپنی روح۔ ؎

عین دریاست حبابیم بہ نگاہِ تحقیق　　ورنہ این قطرہ چرا شورشِ دریا میکرد

ہم لوگ کنبہ کے وشن بیشن لوگوں کی نگہداشت میں پریشان رہتے ہیں اور خانہ داری کا حیلہ لنگ پیش کرکے حصول نجات ابدی سے یا فنا فی اللہ ہونے سے قاصر رہتے ہیں۔ ہمارے خدائے پاک سے بڑھکر کون خانہ دار (گرہست) ہوگا جو اتنی بڑی کائنات کا پرسان حال اور روزی رساں ہے؟ ہمارے اس گھبراہٹ کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو نہیں پہچانتے ہم اپنے کو خدا سے جدا سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہمارے سلسلہ میں پہلی ہدایت ہے کہ تم پہلے اپنے آپ کو پہچانو۔ خدا کی تلاش بشرط ضرورت بعد میں کرلینا۔ کیونکہ جب تمکو اپنی ذات کی شناخت ہوجائیگی تو پھر خدا کے ملنے میں کیا دیر لگے گی۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ تو صاف فرماتا ہے کہ میں شہ رگ سے بھی قریب تر ہوں۔ اور شہ رگ تمھارے پاس ہے نہ کہ کہیں اور۔

تاگے کا ایک پیچک۔ ریل یا تاش لے لو۔ تاگے کا جو سرا باہر کو نکلا ہوا رہتا ہے اسکو پکڑ کر کھینچتے چلے جاؤ۔ جب دوسرا سرا جو اندر رہتا ہے ملجائے تب دونوں سروں کو ملا کر دیکھو کہ کچھ بھی فرق دونوں میں نظر آتا ہے۔ واقعی میں کچھ فرق نہیں رہتا ہے۔ یہی "انا الحق یا سوہم" یا "ہمہ اوست" کہنے کا مقام ہے۔ اب تمہارا اختیار ہے کہ دھاگے کو باہری یا اندرونی سرے کے جانب سے سمیٹو۔ پیچک پھر تیار ہوجائیگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنی تلاش کیسے کیجائے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ راہ تصوف میں پیر اور اسکی ذات والا صفات ہی ایک ذریعہ محض اس رمز کے پانے کا ہے۔ چونکہ یہ کتاب ہمائی کے خیال سے لکھی گئی ہے۔ اس لئے لگے ہاتھوں کچھ اس رمز کو بھی کھولدینا ضروری ہے۔ تم اپنے جانب ذرا غور سے دیکھو تو تمکو معلوم ہوگا کہ "تم" در اصل ہستی۔ گوشت۔ خون یا پوست نہیں ہو۔ نہ آنکھ ہو۔ نہ کان ہو۔ نہ زبان ہو۔ نہ ہاتھ ہو۔ نہ پاؤں ہو۔ نہ سر ہو۔ نہ بال ہو۔ "تم" آدم کی اولاد ہونے کے باعث (آ + دم) ہو۔ یعنی تمہاری ہستی ہے "تم" یا "ہم" کو کر پکارتے

راہِ حق میں یہ قدم جلد بڑھائے کوئی — آ کے اِس راہ میں۔ پھر پھر کے نہ جائے کوئی
جان و تن رکھتے ہوئے۔ اپنے کو مُردہ سمجھے — ہو فنا پہلے۔ بقا بعد میں۔ پائے کوئی
ہے فنا کیا؟ اور بقا کہتے ہیں کسکو سب لوگ — پہلے اِسکا تو پتہ اصلی لگائے کوئی
ہے پتہ اسکا دیا۔ فقرا نے جو کچھ۔ سُن لو — راز کھل جائیگا۔ ایمان تو لائے کوئی
ترک کرنا ہی خودی کا ہے فنا ہو جانا — خاک کو خاک میں۔ کیا خاک ملائے کوئی
جب فنا بھی ہو فنا۔ باقی رہے سو ہے بقا — بگڑے اِس درجہ۔ تو۔ بگڑی کو بنائے کوئی
ہو بقا ہی میں فنا۔ جبکہ بقا کا بھی خیال — تب کہیں آپ میں۔ پھر آپ سمائے کوئی
جیتے جی جیتے مرنا۔ نہیں کچھ اس کے سوا — مردِ میدان ہو تو اِس راہ میں آئے کوئی
فضلِ مرشد ہو۔ تو آنند ملے گا ورنہ
ہاتھ کیا آئے گا۔ سر لاکھ کھپائے کوئی (تخلیہ [illegible])

فنائیت ہی کے انتہائی درجہ کو بقا کہتے ہیں اور یہی حقیقت کا درجہ ہے۔

کیا خانہ دار (گرہست) فنا فی البقا ہو سکتا ہے؟

زندگی مخصوص بہر بندگی ست
زندگی بے بندگی شرمندگی ست

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک خانہ دار (گرہست) ان سب مراتب کو حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ چھوٹتے ہی کہتا ہے کہ ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہٖ — باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

ایسے آدمی کو حضور ختم المرسلین اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ودیگر کاملین مثلاً رام۔ کرشن ویاس وغیرہ کی سوانح عمریوں پر غور کرنا چاہئے۔ خانہ داری کے کونسے سامان اُنکے پاس موجود نہ تھے مگر حضور تو وہاں تک پہنچے کہ جہاں جانے کا ملائیک کو بھی مقدور نہ تھا ؎

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے — پہنچا اُس جا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا

کیونکہ ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار　　ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

دوسرا صوفی فرماتا ہے ؎

جہان جملہ فروغ نور حق دان　　حق اندر وے ز پیدائیست پنہان

وحدانیت خالص چیز ہی اور ہے تم خواہ مخواہ اپنے کو خانہ دار کہکر ذمہ داری اپنے سر لیتے ہو۔ ایمان کو درمیان میں ڈالکر نظر حق بین سے دیکھو تو خانہ دار واقعی تم ہو یا تمہارا خدا یا پیر مغور۔ جسوقت تمہارا دم جسم سے الگ ہو جاتا ہے۔ کیا تمہارا خاکی پُتلا کچھ کر سکتا ہے؟ خاک بھی نہیں۔ جسم اور جسمانیت کے انانیت سے خیال کو الگ رکھکر دیکھو تو کیا نظر آتا ہے قادر مطلق اس قالب خاکی کے اوٹ میں بیٹھا ہوا سارا کھیل کر رہا ہے۔ اور کرا رہا ہے۔

بقول ؎

کار کن در کارگہ باشد نہاں　　تو برو در کارگہ بینش عیاں

خودی کا ایک ایسا جھینا تانا بانا ہے جو خواہ مخواہ تمہیں جسمانیت کی جانب کھینچتا کرتا ہے اور روحانیت سے الگ کر دیتا ہے۔ اسی لئے جسم کو شیطان اور روح کو رحمان کہا ہے۔ ایک ہی مثال پر غور کرو جب وقت تم آئینے کے رو برو کھڑے ہوتے ہو تو تم کہتے ہو ہم بہت حسین ہیں۔ تم ہی نہیں بلکہ ایک بھدی شکل والا آدمی بھی یہی سمجھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اندر سے جو صدا دے رہا ہے کہ ہم حسین ہیں وہ واقعی حسین ہے اور اپنا ثانی نہیں رکھتا مگر تم بجائے اسکی طرف توجہ دینے کے اپنے جسم کو دیکھتے ہو۔ مونچھیں سیدھی کرتے ہو۔ داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہو آستین اور ٹوپی کے جیبن دیکھتے ہو۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ اُس اندرونی صدا کی جانب رجوع ہونا سُو حانیت ہے اور جسم کے بناؤ سنگار کی جانب جانا شیطنیت ہے۔

جسوقت یہ نکتہ تمہارے سمجھ میں آجائیگا کہ تم "جسم نہیں ہو بلکہ روح یا نور خدا ہو" بس پھر کیا۔ چاہے گھر بستی میں رہو چاہے جنگل میں۔ تم مالک کے نزدیک ہو۔ بلکہ کُل کے جزو ہونے کے باعث خود کُل کہے جانے کے مستحق ہو۔ یا جسوقت تمہیں یہ یقین ہو جائیگا کہ سارا کام خدا ہی کرتا دھرتا ہے ہم محض ایک کٹھ پتلی ہیں۔ جیسے وہ جیسے چاہتا ہے نچاتا ہے۔ بس سارا کام بنا بنایا ہے ؎

ہو وہ محض یہ "دم" ہے۔ جبتک دم آتا جاتا ہے تمہاری ہستی کا ظہور ہے۔ جسم اور اعضا وغیرہ تو محض عناصر کی ایک مشمولی صورت ہیں۔ بقول کسے

جگ میں تم آئے سو کچھ "بنے" بنانے کیلئے ۔۔۔ یا کہ یوں ہی مفت وقت اپنا گنوانے کیلئے

نور شوری ہے۔ یہی دم جنبش سے تو آدم ہوا ۔۔۔ اور تو قابل ہوا سجدہ کرانے کیلئے

دم کے آمد و شد سے الا اللہ کی اٹھتی ہے دھن ۔۔۔ سن تو خود۔ یہ ہے نہیں سبکو سنانے کیلئے

صاف الا اللہ کہتا ہے کہ یہ دم ہیں ہمیں ۔۔۔ دم سے ہمدم ہو رہو۔ یہ رمز پانے کیلئے

دم کل ہے سارا دمانہ۔ غور سے تو دیکھ لے ۔۔۔ جسم میں۔ یہ دم نہیں۔ محض آکے جانے کیلئے

دم سے ہمدم ہو حقیقت آنند کا خواہاں ہے گر
دم ملا ہے تجھکو ملنے اور ملانے کیلئے

(دفینۂ آنند)

دوسرا صوفی فرماتا ہے کہ

خواہی کہ بہ یادِ خویش۔ ہمدم باشی ۔۔۔ باید ہمہ دم تو واقفِ دم باشی

اکدم نہ زنی۔ بغیر ہمدم هرگز ۔۔۔ ہمدم دمِ تست۔ گر تو ہمدم باشی

یہی دم تاگے کا وہ سرا ہے جو باہر نکلا ہوا ہے۔ اس دم کے ساتھ ہمدم ہو جاؤ اور اندر گھسو تب تمکو تمہارے ہستی کا رمز صاف کھل جائیگا۔ یہ شغل تعیرا یا تاسا گر دھیان کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ تو جملہ معترضہ تھا کیونکہ ابھی ہمکو یہ بتانا ہے کہ خانہ دار یا گرہست خانہ داری (گرہستی) کرتے ہوئے کیسے فنافی البقا کے درجۂ پاک کو حاصل کر سکتا ہے۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال ست و محال ست و جنوں

مگر اس کے اندر جو رمز کی بات ہے وہ یہ ہے کہ دنیا اور خدا کو الگ الگ دیکھتے ہو۔ جانتے ہو اور یقین کرتے ہو تب تو خانہ داری کا کام کرتے ہوئے خدا کو پانا مشکل ہے کیونکہ جہاں دو ہے وہاں جھگڑا ہے۔ اسی لئے دو دمکو دنیا کہا گیا ہے اگر ناظر کنندہ اور منظر کو۔ سورج کو اور کرن کو۔ آدمی کو اور اس کے سایہ کو الگ الگ ماننے جانتے ہو تو وحدانیت کا دم فضول بھرتے ہو

دائیں صفر ہے جب تک رہتا۔ ایک کا نیک نظر آتا ہے — بائیں صفر کے رکھ دینے سے ایک کا ایک ہی گنتا ہے
دنیا میں رہ کر تم۔ پھر بھی دنیا کے ساتھی ہو — کیا احسان فراموشی ہے حقیقی اس سے نہیں بنتا ہے
دنیا میں تم ہو دنیا تم میں۔ ایک سے ایک، گنے تو دونوں — ایک سے گئے پھر دونوں غائب۔ ہمکو یہی پتا لگتا ہے

آپ میں آپ سمائے رہو تم، دنیا کیا اور عقبیٰ کیا
دوئی کے جھگڑے میں پھنسنے سے۔ آنند نہیں پا سکتا ہے

خانہ داری یا گرہستی محض ایک امتحانی منزل ہے جسے اگر خوش اسلوبی سے انسان سطے کر لیتا ہے تو وہ گھر میں رہتا ہوا خدا کی قربت حاصل کر سکتا ہے۔

گھریلو فقیر کے فرائض

گھر گرہستی میں رہتا ہوا انسان کیسے فقیر کے درجہ کو حاصل کر سکتا ہے یہاں ہم اسے بتانا چاہتے ہیں۔ گھریلو فقیر وہ ہے جو کنبہ کا افسر ہوتا ہوا ظاہری نظام کے لئے کسیکو چھوٹا۔ کسیکو بڑا کسیکو برابر بخیال رشتہ خاندانی سمجھے مگر اندر یہ یقین پختہ رکھے کہ یہ سب خدا کے بندے ہیں۔ جو اسکی سپردگی میں منجانب اللہ پاک دے گئے ہیں۔ اور جنکی پرورش منجانب اللہ اوسکے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ جسطرح ایک گلہ بان (گڈریا) مختلف آدمیوں کے بھیڑوں کو لے کر چراتا ہے اور بعد ختم فصل انکو انکے مالکوں کے حوالہ کر دیتا ہے کسی بھیڑ سے اُسے خاص محبت نہیں ہوتی اسی طرح ایک افسر خاندان بھی ہے۔ جو اللہ تعالے کی خلقت کو جو اُسکے سپردگی میں دیگئی ہے۔ پالتا پوستا ہے۔ اور پھر اللہ کے حوالہ کر دیتا ہے۔

دوسری صفت اس فقیر میں یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ آمدنی ہوتی ہے اُسکا جزو کثیر کنبہ و رشتہ داروں کی پرورش میں صرف کرتا ہے۔ اور کچھ حصہ راہ خدا میں بدوں خیال معاوضہ خرچ کر کے کچھ پس اندوختہ وقت ضرورت کے لئے چھوڑ رکھتا ہے۔ محلہ ٹولہ اور پڑوسیوں کے دکھ درد میں بلا خیال ذات پات کے شریک رہتا ہے۔ جو کچھ ملتا ہے اُس پر راضی بہ رضا رہتا ہے اور مفت میں ہاتھ نہیں کرتا اور دوسروں سے بغض و حسد نہیں رکھتا۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست — می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

تمام خانہ داری کا سارا کام کرتے ہوئے سمجھو کہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ جو اُسکی مرضی ہے وہ ہو رہا ہے۔ اسلام کے معنی ہی تسلیم و رضا کے ہیں جو راضی برضا نہیں ہے وہ ناحق اسلام کی ڈینگ مارتا ہے جو خانہ دار راضی برضاء پیر یا الٰہی رہتا ہے وہ دل بایار و دست باکار رکھتا ہے۔ فقیر ہدایت کرتا ہے کہ ؎

نمی گویم کہ از دنیا جدا باش — بہ ہر کارے کہ باشی با خدا باش

پیر ہدایت فرماتا ہے کہ ؎

بگیر رسم تعلق دلا ز مرغابی — ز روئے آب چو برخاست خشک پر برخاست

گورو نانک بادشاہ کا مقولہ ہے کہ ؎

جیسے جل میں کنول نرالم مرغابی نیسانیئے — سرت شبد بھوسما گر ترئیے نانک نام بکھانیئے

یہ ایک اونیٰ سا درجہ بریّت کا ہے کہ اپنے سارے بھاؤ کو خدا کی ذات پاک سے منسوب کر دے اس عمل کے کرنے سے انسانی خودی غائب ہو جاتی ہے اور خدا ہی خدا رہ جاتا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ ایک درجہ کیف کا ایسا بھی ہوتا ہے کہ عارف خود اپنے کو خدا سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور سارے علموں کا عالم اور سارے فعلوں کا فاعل ہو جاتا ہے۔ مگر جبتک اُس درجہ کمال کو حاصل نہ کرے ہر فعل کو خدا ہی کا فعل تصور کرنا واجب ہے۔

یہ خیال بالکل غلط ہے کہ دنیا سے الگ کبھی نے خدا کو پایا ہے۔ جس نے خدا کو پایا دنیا ہی میں پایا نکتہ صرف اتنا ہی ہے کہ تعلق رکھتے ہوئے بھی بے تعلق رکھے کونسا فقیر۔ اولیا یا پیغمبر و نبی رشی یا منی ایسا ہے جو دنیا میں نہ پیدا ہوا ہو۔ دنیا میں بڑھ کر رشی نہ پایا ہو۔ اور دنیا میں نہ رہتا ہو۔ کیا جنگل میں جا کر بھی وہ دنیا سے نیارے ہو جاتا ہے کیونکہ جنگل بھی تو آخر دنیا ہی میں ہے۔ اگر خوش قسمتی سے کسی نے خدا کو پایا بھی تو دنیا ہی میں پایا۔ پایا ہے اس بڑی کائنات میں پایا ہو یا اپنی چھوٹی کائنات (اندرون قالب) میں پایا ہو ؎ (بہش)

دنیا بھی ایک عجیب جگہ ہے آ کر جہاں خدا ملتا ہے — دوئی نہو تو یکا نگیت کا کسکو کہاں پتا ملتا ہے

گنتی میں ایک ۔ ایک ایک تو ہے ۔ لاکھوں تک گنتے چلے — صفر کے فاصلے کر دیئے یہ ایک ہی ایک بنا رہتا ہے

صفر سے ایک انیک بنا ۔ اور صفر گئے پھر ایک رہا — صفر کے پھیر میں پڑ کر انسان ۔ احمق بنا ہوا پھرتا ہے

وہ پھر نیچے آئی اور لوٹ کر کہا کہ "یہ تو دوزخ میں گیا"۔ شاہ صاحب گھبرائے کہ "چندین سال خدائی کردی و گناہ و خود را نہ شناختی"۔ اتنے دن فقیری کیا مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کون جنت میں جاتا ہے کون دوزخ، میں اس باندی کو یہ بھید کیسے معلوم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بے صبری کے ساتھ انھوں نے باندی سے پوچھا کہ "کیوں تجھے یہ کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ کون جنت میں جاتا ہے اور کون دوزخ میں یہ منصب تجھے کس طریقۂ عمل یا شغل سے حاصل ہوا ہے؟" باندی نے دست بستہ عرض کیا کہ "حضور جس مُردہ کے پیچھے لوگ اُسے اچھا کہتے ہیں وہ جنتی ہوتا ہے اور جس کے پیچھے لوگ اُسے بُرا کہتے جاتے ہیں وہ دوزخی ہوتا ہے"! یہ طرفہ بات سُنکر فقیر مست ہو گیا اور اسی حالت مستی میں غزل بالا گاتا ہوا چلا گیا۔

درحقیقت فقیری کا اوّل زینہ خانہ داری ہے کیونکہ اسمیں شرعی زندگی بسر کر کے انسان راہِ طریقت کے کڑیوں کے سہنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

خودی

خودی دراصل جسم اور رُوح کے اتصال سے پیدا ہوتی ہے۔ رُوح کیطرح یہ خودی بھی سارے جسم میں محیط رہتی ہے چونکہ اجسام عناصر کے خلط سے بنے ہیں۔ اس لئے خودی ہمیشہ جسمانیت اور عناصر کے جانب کھینچتی ہے اور رُوح ہمیشہ خلاقِ عالم کی طرف بقول ؎

جسم ظاہر رُوح مخفی آمدست
جسم ہمچوں آستین، جاں ہمچو دست

اسی لئے رُوح کو رحمان اور جسم کو شیطان کہا گیا ہے۔ اپنی جسمانیت کی خودی کو اٹھا کر انانیت رُوحی کے جانب لیجانے کے لئے سارا انتظام بزرگان سلف نے کیا ہے۔ نماز، روزہ مجاہدات، حبس دم وغیرہ مختلف طریقہ ذکر و فکر، مختلف علوم منطق و فلسفہ و عقلی دلائل کا سلسلہ نکالا تاکہ انسان جسمانیت کے خودی سے گذر کر رُوحانیت کے جانب رجوع ہو۔ پارسیوں میں جو آتش پرستی ہے وہ دراصل کیا ہے؟ اسی جسمانی خودی کی آگ کو نکال کر رُوحانی انانیت کے آتشکدہ میں ڈالدینا ہے اور کچھ نہیں!

تیسری صفت یہ ہوتی ہے کہ خانہ داری اور ذریعہ معاش کا کاروبار کرنے کے دوران بھی وقت اپنا مالک کی یاد میں صرف کرتا ہے۔ اور گھر والوں سے بھی مالک کی یاد کراتا ہے۔ گوسائیں تلسی داس جی فرماتے ہیں ؎

جو جن روکھے بشئے رس چکنے رام سنیہہ ۔ تلسی تے پریہ رام کو کانن بسہن کہ گیہہ

(مطلب - جو لذات نفسانی کے طرف سے دل برداشتہ اور خدا کی محبت رکھنے والا ہوتا ہے۔ وہ اسے تلسی چاہے گھر میں فقیری کرے چاہے جنگل میں)

اس اصول پر زندگی بسر کرنے والا خانہ دار ایک فقیر کا رتبہ رکھتا ہے۔ ایسا خانہ دار دین و دنیا دونوں بنا لیتا ہے۔ اور اس بزدل فقیر سے اچھا ہوتا ہے جو مصیبتوں سے تنگ آکر اور راضی برضائے الٰہی نہ رہ کر گرہستی چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ ایسے خانہ بدوش فقیر وسے ایک سالک یہ کہتا ہے ؎

کیا غضب ہے سنسار میں تیرے الٹا سما رہا ہے ۔ دنیا بگاڑ کر تو عقبیٰ بنا رہا ہے
مالک نے امتحاناً دنیا میں تجھکو بھیجا ۔ تو امتحان سے اب جی کیوں چرا رہا ہے
زن، زر، زمین یہ سب مالک کے ہیں عطیے ۔ عقبیٰ کے دھن میں انکو کیوں گنوا رہا ہے
خالق کی نعمتوں کو اچھی طرح برتنا ۔ یہ شرع شاستر دیکھو تجھکو بتا رہا ہے
جس نے ادھر بنایا اسکی ادھر بنی ہے ۔ ہٹ چھوڑ اسکو ناحق دوڑا تو جا رہا ہے
دنیا میں گر نہ آتا حق کو کہاں اٹھاتا ۔ ناحق ہے کبھی تو حق ہی جلوہ دکھا رہا ہے

جسکو یہاں ہے آنند اسکو وہاں ہے آنند
آنند بات سچی تجھکو بتا رہا ہے!
(تجلیاتِ آنند)

روایت: کسی شہر کے چورستہ پر ایک حلوائی کا مکان تھا۔ وہ ایک شاہ صاحب کی خدمتگذار تھی جو اکثر اس کے یہاں جایا کرتے تھے ایک روز شاہ صاحب تشریف فرما تھے کہ ایک مردہ ادھر سے گذرا حلوائی نے باندی سے کہا کہ جا کر دیکھو تو یہ کہاں گیا۔ دوزخ میں یا جنت میں چنانچہ باندی پیچھے اتر آئی اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر کہا "بیٹا وہ تو جنت میں گیا" دنیا دار ... نہیں گذرا تھا کہ دوسرا مردہ پھر چورستہ سے گیا پھر حلوائی نے باندی سے وہی بات

شدہ شدہ کسی بزرگ فقیر کی قربت نصیب ہو جاتی ہے یا اُسکے ہاتھوں بیعت ہو جاتی ہے اور اُنکے زیر اثر کچھ عقبیٰ کی کمائی کرکے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور آہستہ آہستہ منزل پہ پہنچ بھی جاتا ہے بشرطیکہ عبادت کی خودی سے بچ گیا۔ کیونکہ بقول ملک الفقرا حضرت شیخ نظام الحق رح طالب کی راہ میں علاوہ عبادت کے خودی کے سات لغزشیں اور ہوتی ہیں۔

۱۔ **اعراض**۔ یعنی طالب کے کسی حرکت سے معشوق حقیقی منہ پھیر لے۔

۲۔ **حجاب**۔ اگر معشوق حقیقی توبہ پر راضی نہوا تو حجاب کریگا۔

۳۔ **تفاصل**۔ اگر پھر بھی توبہ میں صداقت نہ رہی تو معشوق حقیقی جدائی اختیار کریگا۔

۴۔ **سلب مزید**۔ اگر اتنے پر بھی سالک کی آنکھ نہ کھلی اور اپنے فعل سے باز نہ رہا اور محض دکھاوے کے لئے توبہ کرتا رہا تو سارا ذوق و شوق عارضی طور پر سلب کر لیا جائیگا۔

۵۔ **سلب قدیم**۔ اتنے کمی ہو جانے پر بھی اگر آنکھیں نہ کھلیں تو ہمیشہ کے لئے بار یابی سے محروم کر دیا جائیگا۔

۶۔ **تسلی**۔ پھر بھی اگر ہوش نہ آیا تو معشوق حقیقی ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیگا۔

۷۔ **عداوت**۔ اگر جدا کر دیئے جانے پر بھی آنکھوں پہ پٹی بندھی ہی رہی تو ساری حلاوت عداوت سے مبدل ہو جائے گی۔

میری ذاتی رائے میں یہ سب کیفیتیں محض عبادت کی خودی دماغ میں سما جانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ عابد اس خودی کے آنے کے پہلے سے ہی ہشیار ہو جائے۔ نظام روحانی کے اندر جیسے سب طرح کی خودیوں کے دبانے کا اہتمام ہے اسیطرح عبادت کی خودی کو دبانے کا بھی بند و بست ہے۔ پیر کا خوف اگر دل میں جاگزیں رہے تو حاشا بھی طالب کو کوئی گزند نہ پہنچے گا اور وہ اُس منزلِ مقصود تک پہنچ جائیگا۔

میں بتا چکا ہوں کہ ادائے نماز سب سے بہتر طریقہ عبادت کا ہے اور اس کے ذریعہ تمام روحانی منازل طے ہو سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ عبادت کے خودی کے دبانے کا اہتمام بھی حضور ختم المرسلین نے بذریعہ درود شریف فرمایا ہے۔ درود کے لغوی معنی جو کچھ ہوں مگر مفہوم یہی ہے کہ جو کچھ عبادت عابد نے کی ہو وہ اسے اللہ اور رسول و آلِ رسول کے حوالہ کر دے

اتنا ہی نہیں۔ قدرتی نظام میں بھی اس خودی کے رفع کے ذرائع موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو
ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور جب ذرا ہشیار ہوتا ہے تو ماں پہلے ہی اُسے اپنی فضیلت کا قائل
بنا دیتی ہے ماں کے سامنے اس بچہ کی خودی جو فطرتاً اسمیں موجود ہوتی ہے۔ اُبھرنے نہیں پاتی،
ماں پھر باپ، چچا، چچی اور بڑے بھائی و بہن وغیرہ کی بزرگی اُسے جتا جتا کر اس کی خودی
کو اُن کے مقابلہ میں اُبھرنے نہیں دیتی۔ پھر بچہ تھوڑا اور ہشیار ہونے کے بعد اوستاد یا اُستانی
کے حوالہ کیا جاتا ہے اون کے زیر اداب اُس کی خودی اُبھرنے نہیں پاتی جب وہ سن بلوغ کو
پہنچتا ہے تب اُسکی دبی ہوئی خودیوں کو بوجہ علم یا بسبب جہالت ٹھیس لگتی ہے اور تب اُسکی
دبی ہوئی خودی عود کر آتی ہے۔ اس لئے کہ چھ اقسام کی خودیاں انسان میں عموماً ہوا کرتی ہیں
(۱) قوت جسمانی کی خودی (۲) خوبصورتی کی خودی (۳) عالی نسبی کی خودی (۴) زر اور زمین
کی خودی (۵) علم کی خودی (۶) مذہبی یا عبادتی خودی۔ سن بلوغ تک پہنچنے کے بعد سے
اُسمیں اوّل چار خودیاں نشو ونما پاجاتی ہیں۔ گو پاس ادب بزرگان دبی تو ضرور رہتی ہیں
مگر دل میں اٹکھیلیاں کیا کرتی ہیں۔ حصول علم۔ ملازمت یا کسی فن کے بعد اُس سے رہا
نہیں جاتا اور موقع بموقع یہ باہر عود کر آیا کرتی ہیں۔ بزرگوں کا سایہ بھی تب تک عموماً
اُٹھ جاتا ہے۔ یا رہتا بھی ہے تو برائے نام۔ پس انسان خودی کے جنگل میں سر بسر
پھنسکر کانٹہ دار دُنیا میں بھٹکتا رہتا ہے۔ پھر بھی قدرت اُس کے دبانے کا اہتمام
کرتی ہے۔ انواع اقسام کے حوادثات ارضی و سماوی **اس کے خودی** کو دباتے
رہتے ہیں۔ لیکن یہ عناصر کا پتلا خاک سے بنا ہوا ہونے پر بھی اپنے کو خاک نہیں سمجھتا۔
چونکہ روح اور جسم کے اتصال سے اسمیں خودی آئی ہوئی رہتی ہے۔ اس لئے
فطرتاً اسمیں ایک سرشت بھی ساتھ ساتھ پیدا ہوا کرتی ہے کہ باوجود اپنے سامان خودی یعنی
قوت جسمانی، خوبصورتی، عالی نسبی، زر، زمین اور علمیت کے رہتے ہوئے بھی کیوں
اُسے اطمینان کلی یا آنند حاصل نہیں ہوتا ہے۔ جب حوادث زمانہ کے تھپیڑے اُسے
بے چین کرتے ہیں۔ تب وہ کبھی تنہائی میں بیٹھا ہوا اس مسئلہ پر غور کیا کرتا ہے اور دعا
تعویذ اور ٹوٹکوں سے کامیاب نہ ہوتے ہوئے دیکھکر وہ ایسے لوگوں کی تلاش کرتا ہے
جنکے فیضان صحبت اور کرم سے اسکی مشکل کشائی ہو سکے۔ اگر تلاش صادق رہی تو

اس کا سر ٹوٹ گیا۔ جو قطرے خون کے زمین پر گرتے تھے "اللہ جل جلالہ" مرقوم ہوتا تھا
آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ "تو جلوہ گری کرتا ہے اور دکھانا چاہتا ہے کہ میں ایسے مقام پر
ہوں خبردار ہو جا۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے تیرے ساتھ ذکر میں برابر ہیں" مرید کو جا ہے تھا
مذکور کو پہنچے "یہ بات اس کے دل پر نشانہ سی لگی اور اس نے تڑپ کر جان دیدی۔
واقعی پیر مرشد کا مشاطہ ہوتا ہے جہاں اور جب کبھی الجھن دیکھتا ہے تو شانہ کر مرید کو مصفا بنا
دیتا ہے۔

ضمیمہ

۱۔ توحید کی چار صورتیں

توحید ذاتی۔ معلوم کرنا اور مشاہدہ کرنا ذات واحد کا کل موجودات میں۔ بقول
یک سیر بصد سینہ۔ یک رو بصد آئینہ — یک شاہ بصد کشور۔ یک ماہ بصد ایوان

توحید صفاتی۔ کل وجود موجودات اور صفات کو صفات ایزدی سمجھنا۔ بقول
بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من انداز قدت را می شناسم

توحید افعالی۔ جتنے افعال سرزد ہوں انکو منسوب کرنا ذات واحد سے۔ بقول
تو مشکی کنی من سر با کردہ ام — بعدی ترا خواہشت بہ خود کردہ ام

توحید اسمائی۔ جتنے نام ہیں انکو منسوب کرنا ذات واحد سے۔ بقول
بہر نامے کہ خوانی سر بر آرد

۲۔ ہدایات کے دس منازل

یقظہ (بیداری)۔ توبہ[۱]۔ انابت (رجوع بخدا)۔ محاسبہ۔ تفکر۔ تذکر۔ فرار۔
سماع۔ ریاضت۔ اعتصام

[۱] اس کے معنی رجوع الی اللہ کے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) اول توبہ عام

نہ اُس کے پاس کچھ رہ جائیگا نہ اُسمیں اُسکی خودی ہوگی۔ بھگوت گیتا میں جو ہندوؤں کی ایک
متبرک کتاب ہے۔ سری کرشن نے فرمایا ہے کہ جو کچھ کرتے ہو میرے نام پر وقف کر دو بھگتی اور
ایثار نفسی) بھی متقاضی ہے کہ بندہ جو کچھ بھی عبادت کرتا ہے وہ خدا یا رسول یا پیر پر نثار کرے
کیونکہ اس کے نجات کے ذمہ دار تو یہی ہیں۔ ایثار نفسی ہی خودی کی جڑ اکھیڑنے والی چیز ہے
جب تک خودی۔ چاہے جس چیز کی ہو۔ نہ جائے گی تب تک خدا کے اور عابد کے درمیان حجاب
رہے گا۔ کیونکہ ـــ

تا تو ہی از خدا نہ یابی بوئے
خود نباشی خدا نماید روئے

روایت ہے کہ ایکبار کبیر صاحب کا ایک مرید دریا کنارہ جا رہا تھا کہ اُسنے ایک جذامی (کوڑھی)
کو دیکھا جس کے ماں باپ اُسے بہ وقت میلہ اسی غرض سے لائے تھے کہ شاید کسی بزرگ
کی دعا سے شفا ہو جائے۔ چنانچہ جب مرید کا گزر ہوا تو والدین نے منت عرض کیا کہ حضرت بہت
دنوں سے دوا علاج کیا مگر اسکا جذام اچھا نہ ہوا۔ مرید کے دلمیں عبادت کی خودی اٹکھیلیاں
کر رہی تھیں۔ اُس نے کہا کیا مشکل بات ہے جا پانچ بار رام رام کہکر دریا میں غوطہ مار اچھا
ہو جائیگا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور جب دریا سے باہر آیا جذام کا نام نہ تھا۔ اس بات کی
شہرت سارے شہر میں پھیل گئی۔ مریدوں میں باہمی رقابت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ ایک نے
کبیر صاحب سے اطلاع کیا کہ فلاں مرید نے ایک جذامی کو اچھا کیا ہے۔ حکم ہوا جب وہ آوے
حاضر کیا جاوے۔ شام کو جب وہ گشت سے واپس آیا تو کبیر صاحب کے روبرو پیش ہوا۔ صاحب
کے دریافت کرنے پر اُس نے سارا قصہ بہ فخر بیان کیا۔ خودی کا انکور اُس کے قلب میں پیدا ہوا
دیکھ صاحب نے فرمایا کہ کمبخت تو نے مالک کے نام کی اسقدر ہتک کی میری بڑی تحقیر کی۔ جا سامنے
سے ہٹ جا۔ مالک کے نام میں تجھے پورا اعتقاد نہیں کیونکہ جس نام کے محض ایکبار لینے سے انسان
کا عقبیٰ بنجاتا ہے تو محض جذام کے اچھے ہونے کے لئے تو نے پانچ بار نام لینے کی ہدایت کی۔ لوگ
کیا کہینگے کہ کبیر کی یہی تعلیم ہے۔ مرید دلمیں بہت ہی خفیف ہوا۔ اور اُسدن سے
تائب ہو سچا معتقد بن گیا۔ کاش اگر کبیر صاحب تنبیہ نہ فرماتے تو اُسے عبادت کی خودی خراب
کر کے چھوڑتی۔ اسی طرح دوسری روایت ہے کہ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مرید
اپنی شان عبادت دکھلا رہا تھا۔ آپنے اُسکی طرف غضب سے دیکھا۔ وہ گر پڑا اور

۱۔ صبر یعنی اوامر و نواہی کے لیے نفس کا روک رکھنا۔ (۲) شکر یعنی بلوغ نعمت پر خدا
کی طرف کرنا اور اہل تحقیق کے نزدیک شکر کے مواقع یہ ہیں: شکر تجلیت پر (ب) ہدایت
پر (ج) توفیق پر (د) تائید پر (الف) ادائے حقوق میں (ھ) مرتبہ تحقیق کے پہنچنے پر۔ (۳) رضا
یعنی تمام وقوعات میں بندے کا خدا کی مرضی پر راضی رہنا اور اس کا ثمرہ یہ ہے کہ خدا راضی ہو جاتا ہے
(۴) حیا یعنی اوامر کو فروتنی کے ساتھ قبول کرنا اور بجا لانا اور نواہی سے بچنا (۵) صدق یعنی اقوال و افعال
و احوال میں حق سے موافقت کرے (۶) ایثار یعنی غیر کو اپنے نفس سے مقدم رکھنا اور شریعت کا ایثار
یہ ہے کہ گناہ نہ کرے اور طریقت کا ایثار یہ ہے کہ ارادۂ الٰہی کے آگے اپنے ارادے کو مفقود تصور
کرے اور حقیقت کا ایثار یہ ہے کہ ایثار کو ایثار نہ سمجھے (۷) خلق یعنی انسان کا مکارم اخلاق سے متصف
ہونا (۸) تواضع یعنی فروتنی کرنا (۹) فتوت انسان کے عدم شہود کا نام ہے۔ (۱۰) انبساط خدا کی
خوشی کو اپنی خوشی سمجھنا۔

۳۔ اصول کی دس منزلیں

(۱) قصد۔ خدا کی طرف توجہ کرنا (۲) عزم۔ خدا کی طرف ارادہ کرنا (۳) ادب یعنی افراط
و تفریط سے باز رہنا۔ ادب مع الحق یہ ہے کہ خدمت میں تقصیر نہ کرے اور ادب مع الخلق یہ ہے
کہ ادائے حقوق میں ادنیٰ و اعلیٰ کو برابر سمجھے (۴) ارادت یعنی مرشد سے عقیدت رکھنا (۵) یقین یعنی
اطمینان بالغیب حاصل کرنا۔ اس کی تین قسمیں ہیں (الف) اگر اطمینان قوت دلیل سے ہوا
ہے تو علم الیقین ہے (ب) اگر مشہود عقل و عیانی کے سبب سے جو سینے میں ہے آنکھ سے دیکھا
ہے تو عین الیقین ہے (ج) اگر تجلیات صفاتیہ ظاہر ہو کر تجلی ذات ظاہر ہوئی ہے تو یہ حق الیقین
ہے (۶) انس یعنی خدا سے محبت کرنا (۷) ذکر وہ ہے کہ جس سے قربت حاصل ہوتی ہے اور حجاب
دور ہوتا ہے (۸) فقر تمام احتیاج کو خدا پر چھوڑ دینا (۹) غنا۔ ماسوا اللہ سے استغنا
کرنا (۱۰) مراد۔ خدا کی طرف سے حسب خواہش ملنا۔

یعنی ہوائے نفسانی سے بری ہونا۔ دوسرے توبہ خاص الخاصہ یعنی ہوائے نفسانی سے بری ہوکر مقتضائے اسما کیطرف رجوع ہونا۔ تیسرے توبہ المحققین حسب لغد توبہ ہستی ذات واحد پہ یقین کامل ہوجائے۔ ۲؎ محاسبہ اسکو کہتے ہیں کہ اپنے کمالات اور نقائص پر نظر ڈالے اور جو غالب ہوں انکا تدارک کرے مثلاً اگر کمالات زیادہ ہیں تو شکر کرے اور اگر نقائص زیادہ ہیں تو انکو نکالے۔

۳؎ فرار کی تین قسمیں ہیں (۱) فرار العوامیہ یعنی حیلوں وغیرہ سے بچ کر حلوق پر نظر رکھنا (۲) فرار الخاصہ یعنی حظوظ نفس سے پرہیز کرنا (۳) فرار عن المشتغل بالغیر یعنی غیر سے اعراض کرنا اور خدا کی طرف متوجہ ہونا۔

۴۔ سماع کے معنی ہر شخص کا مقصود خاص سے تنبیہ حاصل کرنا ہے۔ نیز جاننا چاہیے کہ سماع دو قسم کا ہوتا ہے۔ (۱) ایک سماع عوام یعنی امتثال امر (۲) دوسرے سماع خواص اور اسکو مخصوص بالحق کہتے ہیں اور بالحق اور من الحق اور للحق اور من الحق ہوتا ہے۔ سماع بالحق اس شخص کا سماع ہے جسکو ہر حال میں شہادت اور محبت کا مرتبہ حاصل ہو۔ اور سماع للحق اس شخص کا سماع ہے جو محبت پر نظر رکھتا ہو اور سماع الحق ظاہر ہے یعنی حکایات کا سننا یا کلام الٰہی کا سننا چنانچہ اہل حقیقت کا قول ہے۔ حقیقۃ الاخلاص سماع کلام اللہ تعالیٰ عن محل کائن وھو السمیع العلیم۔

۵۔ ریاضت یعنی مجاہدات سے اخلاص نفسیہ کی تہذیب کرنا

۶۔ اعتصام کے معنی مکروہات سے بچنا ہے۔ اعتصام عوام کا یہ ہے کہ طاعات کی محافظت کریں اور اعتصام خواص کا یہ ہے کہ ارادات کو ترک کریں اور اعتصام اخص کا یہ ہے کہ شہوات سے بچیں اور اعتصام اخص الخاص کا یہ ہے کہ حقوق ربوبیت اور اثبات الوہیت کا خیال رکھیں۔

۲۔ اخلاق کی دس منزلیں

(۱) صبر (۲) شکر (۳) رضا (۴) حیا (۵) صدق (۶) ایثار (۷) خلق (۸) تواضع (۹) فتوت (۱۰) انبساط۔

۴۔ حقائق کے دس منازل

(۱) مکاشفہ۔ صفات کا بواسطہ ظاہر ہونا (۲) مشاہدہ۔ صفات کا بلا مظہر ظاہر ہونا (۳) معاینہ۔ صفات کا بلاخصوصیت ظاہر ہونا (۴) حیات۔ صفات کا ظاہر ہونا اسطرح کہ کوئی وصف عین سے پوشیدہ نہ رہے (۵) قبض۔ قلب کا یکبارگی ظاہر ہوتے ہی مضطرب ہونا۔ اگر مشاہدہ یا معاینہ میں حضرت جلال سے ہے تو قبض ہے اور اگر مشاہدات جمال سے ہے تو بسط ہے۔ (۶) بسط۔ انشراح القلب فی الذات (۷) سکر۔ احساس کا مفقود ہونا (۸) صحو۔ ہوشیاری کا حاصل ہونا (۹) اتصال۔ امداد الٰہی کا پے در پے آنا (۱۰) انفصال۔ بعدیت اتصالی کا ساقط ہونا۔

شکریہ! اعلان

ہزار ہزار شکر ہے اللہ پاک کا کہ جس نے مندرجہ ذیل اصحاب کے ذریعہ کتاب ہٰذا کی اشاعت میں امداد نقدی فرمایا۔ تفصیل امداد حسب ذیل ہے

(۱) محمود الحسن صدیقی صاحب (۲) چودھری صاحب معہ (۳) رحمت صاحب للعہ (۴) منشی چھیلی داد صاحب معہ (۵) مولانا رضا صاحب سے (۶) حشمت جان صاحب للعہ (۷) رحمت اللہ صاحب عہ (۸) مولانا شفیع صاحب سے (۹) انصاری ،،

تصنیفات شاہ آنند بناری (المعروف فلسفی)

بلغت الاعجاز تفسیر حیات نوجانی عہ آبگینۂ آنند جلد اول عہ جلد دوم ۱۲ جلد سوم ۱۲ تجلیات آنند ۱۲ تجلیات آنند ۲ شجرۂ آنند ۱ سفینۂ آنند ۳ دفینۂ آنند ۳ نگینۂ آنند ۲ فضائل رمضان المبارک ۱۲

ہندی:۔ آنند چھند ۱۲ آنند مالا عہ آنند سمرتی ۶ آنند جیال ۱۲

سنسکرت:۔ اوتر گیتا ہندی و انگریزی ترجمہ عہ محصولڈاک علاوہ

ملنے کا پتہ:۔ خانقاہ شاہ آنند بناری نمبر ۱۲/۱۴ سی کے حسین پورہ چیت گنج بنارس

Ananda